علم کے ذرائع (Sources of Knowledge)

حافظ عتیق الرحمان گورچانی

03135265617

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔الرحمٰن ،علم القرآن خلق الانسان علمه البیان،وقال تعالیٰ اقراء باسم ربک الذی خلق ،خلق الانسان من علق،اقراء وربک الاکرم،الذی علم بالقلم،قال النبی "ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم،ویثبت الجھل، ویشرب الخمر و یظھر الزنا"

علم کے ذرائع کو بیان کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ علم کی تعریف اور فلسفہ تعلیم کے ساتھ مصادر و مقاصد تعلیم کو بیان کرنے کے بعد اسلام کا تصور تعلیم اور اہمیت تعلیم کا بھی مختصر خاکہ پیش کیاجائے اور آخر میں علم کے اہم ذرائع کا خاکہ پیش کیا جائے گا جس سے موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

علم کی تعریف:

تعلیم کا لفظ ماخوذ ہے لاطینی الفاظ(Edex)جس کا معنی نکالنا اور (Ducer-Duc)کا معنی رہنمائی ہے جس کے مطابق ایجوکیشن کا معنی معلومات کو یکجا کرنا یا پھر پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارنا بنے گا۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں تعلیم اس عمل کو کہتے ہیں جس سے انسان کی انفرادی صلاحیتوں کو نشوونما ملے یا پھر معاشرت کے طریقے سکھا کر معاشرے سے مطابقت کے قابل بنایا جائے۔

سید سلیم کے مطابق تعلیم کی بہتر تعریف اسلام نے پیش کی ہے ک" تعلیم ایسا اجتماعی عمل کا نام ہے جس سے معاشرے کے نوخیز نسل کو اسلامی تصور حیات سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔اسلامی عقائد و اقدار ان کے ذہنوں میں موجزن ہو جاتا ہے اور اسلامی افکار کی روسے زندگی کے آداب واخلاق کی تربیت دیتا ہے"۔

عصر حاضر کے مغربی تعلیم کے مجدد جان ڈیوی کے مطابق تعلیم تجربے کی مسلسلہ تعمیر نو یا تنظیم نو کا نام ہے جس سے تجربے کے معنوں می اضافہ ہوتا ہے اور آمدہ وقوع پذیر تجربات کا رخ نامزد کرنے کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہوتا۔

فلسفہ تعلیم:

فلسفہ کا لفظ یونانی زبان کے دو الفاظ فیلن (محبت کرنا) اور سوفیا (دانش) سے ماخوذ ہے مطلب یہ ہوا کہ دانش و یا حکمت سے محبت کرنا۔ اصطلاحی طور پر فلسفلہ کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کو سمجھنے کی انسانی کوشش و جدوجہد کرنا۔

پروفیسر بختیار حسین صدیقی فلسفہ تعلیم کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تعلیم کے تین اساسی پہلو ہیں 1۔فلسفیانہ یا مذہبی پہلو،2۔معاشرتی پہلو 3۔نفسیاتی پہلو۔فلسفہ و مذہب معاشرہ کو اساس و بنیاد فراہم کرتا ہے۔عقائد و اقدار کی رو سے جو علم فن اور رویے پیدا ہوتے ہیں ان کو سدھانے کا کام عمرانیات کرتی ہے جبکہ علوم و فنون اور رویوں کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا فریضہ نفسیات کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

جارج نیو سم جونئیر کے مطابق "فلسفے کا تعلیم میں عملی استعمال ہے" یعنی ان کے نزدیک تعلیم و فلسفہ میں گہرا ربط و تعلق نہیں۔

جان ڈیوی کہتے ہیں کہ تعلیم و فلسفہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ایک سکے کے دو رخ ہیں۔ڈیوی کے نظریہ کو دیکھا جائے تو نظام تعلیم کی اصلاح کا بہتر امکان پیدا ہوتا ہے۔

پیٹر، ہرسٹ اور سکفلر وغیرہ جان ڈیوی کے تصور کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ فلسفہ فقط مسائل کی نشاندہی کر سکتا ہے متبادل پیش کرنا اس کا کام نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ و تعلیم باہم پیوست ہیں کہ فلسفہ تعلیم کا عملی پہلو ہے تو تعلیم فلسفہ کا نظریاتی پہلو ہے۔ تعلیم کے بغیر فلسفہ زندہ نہیں رہ سکتا جبکہ فلسفہ کے بنا تعلیم موجب انتشار و فساد ہے۔

فلسفہ تعلیم کے اجزاء:

تعلیم کا فلسفہ تین اشیاء کا مرکب ہے ایک مابعد الطبیعیات یعنی ایسے علم کی طرف ملتفت ہونا جسے محسوس نہ کیا جاسکے مگر اس کا حیات انسانی کی سعادت و شقاوت میں کلیدی حصہ ہو جیسے وحی و الہام، جنت و جہنم وغیرہ پر ایمان رکھنا لازم و ضروری ہے باوجود اس کے کہ عقل و تجربہ سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ فقط انبیاء و کتب سماوی و مذاہب کی تعلیمات کی بدولت اس پر ایمان لایا جاتا ہے۔

دوسرا اجزعلمیات ہے کہ حقیقت و علم کی تلاش فلسفہ اور تعلیم کا مشترک موضوع ہے۔یعنی علم کی ہیئت و کیفیت اور اس کی درستگی و اس کے ماخذ پر لب کشائی بذریعہ فلسفہ کی جاتی ہے۔علم کی مختلف صورتوں کو حاصل کرنے کے ذرائع می سے الہام، وجدان،

ماہرین، عقل و لاجک، تجربہ و مشاہدہ وغیرہ ہیں ان میں سے تین کا تعلق علمیات ہی سے ہے جن میں الہامی علم(Revealed Knowldge)، تجرباتی علم(Experimental Knowledge)،اور عقلی علم(Rational knowledge)۔
تیسرا جز قدریات ہے فلاسفہ کے نزدیک معاشرتی اقدار بالخصوص الہام سے حاصل شدہ قدریں غیر متبدل ہیں جبکہ ترقی پسند قدروں کے حسن وقبح کا معیار معاشرہ کے لئے کار آمد و غیر کار آمد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

جدید فلسفہ تعلیم:

انسان میں ازل سے دو قسم کے گروہ موجود ہیں جو قدامت پسندی و جدت پسندی کے حامی ہیں یہ سلسلہ زندگی دیگر دھاروں کی طرح شعبہ تعلیم میں بھی اثر انداز ہوئے ہیں ان میں سے چار ایسی فکروں کا جائزہ اجمالی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔
ابدیت و اصولیت میں قربت کے ساتھ کچھ تغیر ہے اس کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔ ابدیت کی بنیاد عینیت و شیئیت اور مذہبی مدرسی فلسفہ پر ہے جبکہ اصولیت کی بنیاد صرف عینیت و شیئیت پر ہے۔ ابدیت پر مذہب کا اثر گہرا ہے جبکہ اصولیت پر فلسفہ کا اثر زیادہ ہے۔ ابدیت کا سرچشمہ علم الٰہی و وحی ہے جبکہ اصولیت کا ماخذ حواس اور انسانی تجربہ ہے۔ ابدیت کا بنیادی مقصد عقل کی تربیت کرنا ہے کہ بچہ ابدی حقیقتوں سے بہرور ہو کر اپنے خالق کی معرفت حاصل کرسکے جبکہ اصولیت کا بنیادی مقصد کردار کی تربیت ہے اور اخلاقی قدروں سے زیادہ دلچسپی ہے۔ ابدیت مجرد تصورات پر مبنی علم مہیا کیا جاتا ہے اور اصولیت میں معاشرے کے ان اصولوں ،قدروں اور قوانین رسوم وروایات کو نئی نسل میں منتقل کیا جاتا ہے جن کو معاشرے میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔
جدید فلسفہ کے ترقی پسند رجحانات کے دو پہلو ترقی پسندیت و نو تعمیریت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔
ترقی پسندیت کی بنیادی امریکہ کے مخصوص فلسفہ نتائجیت پر ہے جبکہ نو تعمیریت نتائجیت کی توسیعی و انقلابی شکل ہے۔ ترقی پسندیت میں خالص مادی پسند نظریہ ہے جس میں روحانیت کی گنجائش نہیں اور نہ ماضی کی اہمیت ہے بلکہ حال پر توجہ مرکوز ہے۔ نو تعمیریت خالص مادی فلسفہ ہے جس کی نظر مستقبل پر مرکوز ہے۔ ترقی پسندیت میں سائنس کا غلبہ ہے اور نو تعمیریت میں سائنس اور اس کے کردار پر فوکس ہے۔ ترقی پسندی آسمانی حقیقت کی بجائے تجربہ کی پیداوار ہے سو حواس سے حاصل شدہ علم ہی معتبر سمجھا جاتا ہے جبکہ نو تعمیریت میں حواس و تجربہ ہی علم کے معتبر ذرائع ہیں اور سائنسی ذرائع سے حاصل ہونے والا علم ہی مستند سمجھا جاتا ہے۔ ترقی پسندیت میں استاد کی حیثیت رہنما کی ہے اس کو بغیر ضرورت نصیحت و ہدایت کا حق حاصل نہیں جبکہ نو تعمیریت میں استاد قائد اور

مشیر ہے جو طلبہ کو معاشرتی انقلاب کیلئے تیار کرتا ہے اور ترقی پسندیت کا مقصد بچے میں اپنے مسائل کا حل کیلئے سائنسی طرز فکر پیدا کرنا ہے جبکہ نو تعمیریت کا مقصد طالب کے ذہن کو نئے سوشل آرڈر کیلئے تیار کرنا اور انقلابی بنانا ہے۔

مصادر و مقاصد:

تعلیم چونکہ ایک جہد مسلسل کا نام ہے اس بنا پر اس کو دو اہم مصادر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔رسمی تعلیم: اس سے مراد یہ ہے کہ نونہالان ملت کو ایک متعین و مقرر نصاب و نظام اور ایک مقام متعین میں یکجا کرکے زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔یعنی سکول و مکاتب میں عمل تدریس کے ذریعہ تعلیم کو فروغ دیا جائے۔

2۔غیر رسمی تعلیم: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان صرف اسکول و مدرسہ میں بیٹھ کر تعلیم حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ بہت سے مقامات گھر،،لائبریری، گلی محلہ، نشریاتی اداروں، قہوہ خانوں، جرائد و رسائل اور مسجد وغیرہ میں سے زندگی میں جس بھی مقام پر افراد کا اجتماع ہوتا ہے وہاں سے علم حاصل کرنے میں مدد و معاون ہیں۔

مقاصد تعلیم: اگرچہ میں تغیر و تبدل بالحاظ حاجت و ضرورت ہوتا رہتا ہے بہر حال مقاصد تعلیم کے سلسلہ میں چار باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اول۔ تعلیم عمل کی ایک سمت یعنی اس کا حدود اربع متعین ہونا چاہیے۔دوم۔سمت کے تعین کے ساتھ اس کے نفاذ کی عملی تحریک کا پایا جانا بھی لازم ہے۔سوم۔ مقاصد تعلیم میں لازم ہے کہ مقرر کردہ اہداف کے حصول کا جائزہ بذریعہ امتحان لیا جائے۔چہارم۔ متعین مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع و وسائل کو اختیار کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

عمومی مقاصد تعلیم: 1۔ مقصد خلقت سے آگہی 2۔ تکمیل ذات۔3۔ نشو نما حاصل کرنا۔

خصوصی مقاصد تعلیم: ثقافتی اعتبار سے تعلیم کے مقاصد، معاشی اعتبار سے تعلیمی مقاصد،سیاسی اعتبار سے مقاصد، عملی اعتبار سے تعلیم کے مقصد

اسلام کا نظریہ تعلیم:

علم کے معنی کسی چیز کو سمجھنے اور اس کے ادراک و احساس کے ہیں یعنی نامعلوم حقائق کی معرفت حاصل کرنا۔"علم الانسان مالم یعلم"،"واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شئیاء"علم خدا کی صفت ہے سو معلم حقیقی اللہ ہی ہے۔"انما العلم عند اللہ"،یعلم سرکم وجہرکم" قرآن کریم میں 778 کے قریب علم سے مشتق صیغوں کا ذکر ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اسماء کا علم سکھایا اور

انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت علم ہی کی بناپر عنایت کی "یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات" اور طاقت و قوت پر علم کو فضیلت دی گئی ہے۔ "ان اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم"

علم حاصل کرنا دینی فریضہ ہے، رسول اللہ ؐ کا فرمان ہے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ"، تعلموا العلم وعلموہ الناس۔ علم حاصل کرو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ علم کی بدولت دنیاو آخرت کا استحضار و خیر میسر آتا ہے اور تقویٰ و خشیت بھی علم کی بدولت ملتا ہے ۔ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیر اکثیر اً، انما یخشیٰ اللہ من عبادہ العلماء۔

علم کا اعتراف

اسلام منقول و معقول دونوں علوم کی اہمیت و ضرورت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ان کے حصول کی تاکید کرتا ہے۔ نقلی علوم کے مصادر قرآن کریم، سیرت رسولؐ، تاریخ صحابہ، معنوی تربیت، مسلمانوں کی ذمہ داری و قیادت، دعوت کی روح، قوموں سے مل کر رہنے کا داعیہ، جسمانی تربیت وغیرہ کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام سائنسی و غیر سائنسی علوم و فنون علم قرآنی کے نزدیک ذرہ برابر بھی نہیں، رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلًا" علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا۔ یعنی اسلام و قرآن کا تصور تعلیم موجودہ ابتکارات و تخلیقات سے بھی بلند و عالی ہے۔ مسلمانوں نے طبیعی و سائنسی علوم بشمول علم طب، ریاضی، کیمیاء، تاریخ و جغرافیہ، فلکیات، جراحت، انجینئرنگ اور فنون آرٹ و فن تعمیر وغیرہ میں اپنا لوہا ایک زمانہ تک منوایا۔

مسلمانوں کی علمی خدمات

اسلام میں لکھنے پڑھنے اور زبانوں کے سیکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ انسان کی تخلیق سے قبل قلم کو تخلیق کیا گیا جس سے اللہ نے انسان کی تقدیر کا حساب لکھ دیا ہے۔ مسلمانوں نے قریبا 6 سوسال تک مغرب کو تعلیم سے بہرور کیا۔ اسلام نے علم کے ذرائع فکر و تدبر اور تعقل کا بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا ہے۔ مسلمانوں نے تعلیم کے اہم ذریعہ ورق کو سب سے پہلے متعارف کرایا، مسلمانوں نے یونانی و رومی، فرس وہندی علوم کی کتب کا ترجمہ کراکر علمی دوستی کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں کے کتب خانوں، مدارس و جامعات اور شفاخانوں سے کل انسانیت مذہب و قوم کی تفریق سے ماوراہو کر استفادہ کرتی رہی۔ اسلام نے علم کے طلب کرنے کو عبادت قرار دیا، اسلام نے اپنے سے کم عمر اور کم مرتبہ سے علم حاصل کرنے کی تاکید کی "یا أبت انی قد جائنی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطاً سویا" اسی طرح کوّے، ھدھد، اور کتے کا ذکر بھی ذریعہ علم بننے کی وجہ سے قرآن میں مذکور ہوا ہے۔ عالم و جاہل میں فرق مراتب کا

ذکر قرآن میں عیاں ہے۔زمانے کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے اسلام نے لازمی شرط علم ہی کی رکھی ہے۔ علم چھپانے کی مذمت اسلام نے کی ہے۔ علم و معرفت کی حدود و قیود کی کوئی انتہا نہیں بلکہ اس میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم رسول اللہؐ کو دیا گیا" قل رب زدنی علماً" آپؐ دعا فرامایا کرتے تھے۔ اللہم انفعنی بما علمتنی ،وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علماًوالحمدللہ علی کل حال۔اہل علم کے قدموں تلے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور کائنات کی ہر مخلوق صاحب علم کیلئے دعا گو رہتی ہے اور انبیاء کی میراث علم ہی ہے۔

علم معرفت الٰہی کا ذریعہ

حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث میں آپؐ نے دنیا اور اس میں موجود ہر شے کو ملعون قرار دیا ماسوائے اللہ کے ذکر اور تعلیم و تعلم کے۔" الدنیاملعونۃ ملعون ومافیہا، الاذکر اللہ وماوالاہ، اوعالماً اومتعلماً" اگر علم کے ذریعہ معرفت الٰہی کی نعمت میسر آتی ہے اور علم سے معرفت ذات اور خدمت انسانیت کا پیغام ملتا ہے تو یہی علم مطلوب و مقصود ہے جبکہ جس علم کے ذریعہ استحصال و فساد اور تخریب کون کا کام لیا جائے تو پھر یہی علم نا قابل قبول بلکہ وبال جان اور ملعون ہے۔

علمی خدمات کا اعتراف

دنیا میں متطور علمی طاقتوں سے متعلق حقائق بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "اسلام نے جو علم کی تدوین و تاکید کی اس میں روح و ایمان کو بنیادی دخل ہے ،یونان کا ترتیب شدہ علم خرافات و جہالت سے معمور تھا جبکہ یورپ کی جانب سے وضع شدہ علم میں الحاد و جمود کا عنصر نمایاں ہے۔"

فرانس کے مشہور مستشرق جوستاف لبون مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مسلمان عربوں کی حضارت کی بدولت یورپ وحشیت کے زمانے سے نکل کر عالم انسانی میں اپنا مقام حاصل کر پایا ہے، مغرب کے تعلیمی ادارے علم و معرفت کے دریچوں سے واقفیت نہ حاصل کر سکتے تھے مگر عرب کی کتب سے استفادہ کے بعد ،انہی کی بدولت یورپ کو مدنیت کا شعور میسر آیا اور عقل و اخلاق سے روشناس ہوا ہے۔ تاریخ میں مسلمانوں کی انتاج اور ابتکارات کے مقابل مثال تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی۔"

برنارد شو لکھتا ہے "اسلام ایسا دین فطرت ہے جس میں آزادی خیالات ہے،خرید و فروخت کا دین ہے بلکہ یہ دین جنتلمان ہے، مسلمانوں نے 5 سو سال تک دنیا پر اپنا سکہ جمائے رکھا، قوت و نظام، حکمرانی،خوش طبعی و اچھے اخلاق، زندگی کی بلندی، انسانی رواداری ور حم، برداشت اختلاف دین و ادب، علمی ابحاث، سائنسو طب اور فلسفہ سبھی میں انہیں دسترس حاصل رہی۔"

کلیسا کی علم دشمنی

جرجوری نے لیوی وسسرو کی دستیاب علمی کتب کو نذر آتش کر دیا۔

جرمنی کے بادشاہ فریڈرک کو پوپ نے اس لئے کافر کہا کہ وہ ترقی پسندی خیالات کا حامل تھا۔

رابرٹ بریفالٹ کہتا ہے کہ اس وقت عیسائی مذہبی عقائد کا پابند اور غلام تھا اس میں علمی ہوا کا جھونکا داخل ہونا بھی محال تھا، مذہبی تصورات اور خیالات کے علاوہ سب کچھ کو فضول و بے مقصد سمجھا جاتا تھا۔

شاہ الفریڈ نے شکایت کی کہ ھمبر سے سمندر کنارے تک کوئی ایسا پادری دستیاب نہ تھا جو دعاؤں کو اپنی مادری زبان میں سمجھا سکتا ہو، لاطینی زبان کے کسی آسان سے آسان فقرے کا ترجمہ کرسکے۔ کتب مقدس کا جب ترجمہ کیا گیا تو تحریک اصلاح مذہب نے جنم لے لیا اور اہل یورپ مذہب کے باغی و معاند بن بیٹھے۔ علم میں معرفت اور نظافت و پاکیزگی سے یورپ ایک طویل زمانہ تک محروم رہا اور مشکلات کا علاج تعویذ و دعا کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مسلمانوں کی علمی زبوں حالی

مسلمانوں کی علمی میدان میں زبوں حالی کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں کہ مسلمان غیر ضروری ابحاث میں مبتلا ہو گئے، فروعی و نزعی مسائل میں منہمک ہو بیٹھے، ذات و جماعت کی بالادستی کو مقصود بنالیا، حکمرانوں کی جانب سے اہل علم کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لینا، اصحاب ثروت کی جانب سے مال و دولت کو علم کی نشاۃ و فروغ پر خرچ کرنے میں بخل، اہل علم کو فکر معاش و عزت کی زندگی بسر کرنے میں مشکل کا سامنا کرنا وغیرہ اسباب شامل ہیں۔

مسلمانوں کو اب از سر نو علوم و فنون کی تدوین اس طور پر کرنے کی ضرورت ہے کہ غیر ضروری ابحاث و فروعی و نزعی جھگڑوں سے پاک نصاب تعلیم ترتیب دینے کے ساتھ علوم کو نیہ اور فنون لطیفہ کی بھی تدوین اس طور پر کرنی ہوگی کہ اس میں ایمان وعقیدہ اور اخلاق و تہذیب کا عنصر نمایاں ہو۔

اہم بات یہ بھی ہے کہ نصاب و نظام تعلیم کی درستگی کے ساتھ ایسے استاد کی تعیناتی کی جائے جو جسم و روح کے ساتھ اس نصاب و نظام کا مؤید ہونے کے ساتھ مضمون کے ساتھ قلبی وابستگی کے ساتھ صاحب مطالعہ اور باعمل بھی ہونا چاہیے۔

علم کے ذرائع:

علم و تعلیم اور فلسفہ تعلیم و مقاصد و مصادر تعلیم اور اسلام کے تصور تعلیم اور مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف اور کلیساء کی علم دشمنی و مسلمانوں کا علمی زوال کو ذکر کرنے کے بعد نفس مضمون و موضوع پر کلام کی حاجت ہے کہ انسان کن ذرائع سے علم و معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

علم جن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ان کی وضاحت اہل علم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

1۔ حواس خمسہ (Empirical Knowledge)

2۔ رسوم و روایات (Tradition)

3۔ ماہر، اسپیشلسٹ (Authority)

4۔ وحی والہام (Revelation)

5۔ سائنسی طریقہ کار (Scientific Method)

6۔ عقلیت (Rationality)

7 ۔ وجدان، سبب، فہم و فراست چھٹی حس (Intuition)

8۔ مثال سے بات سمجھانا (Inductive method)

9۔ قواعد و اصول کے بعد مثال پیش کرنا (Deductive)

10۔ تجرباتی (Experimental)